حضرت مفتی محمد سہول عثمانیؒ — صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

سوانحی خاکہ

(۲/۱)

از: مولانا رفیق احمد بالاکوٹی
جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

نام ونسب:

محمد سہول بن افضل حسین بن مولوی امیر حسن بن مولوی رضی الدین بن علامہ شاہ شیخ کمال اہل علم بن مولانا شیخ مزمل بن مولانا افقہ الدین بن مولانا شیخ عبدالسلام بن مولانا قاضی فیض اللہ بن مولانا شیخ عثمان بن قاضی مولانا شیخ محمد راجع بن قاضی مولانا نجیب الدین بن مخدوم مولانا ضیاء الدین بن شیخ احمد اکرام مجتہد بن شیخ محمد بن شیخ طیب بن شیخ طاہر بن شیخ مسعود بن شیخ ابوسعید ابان بن سیدنا حضرت ذوالنورین عثمان بن عفان القریشی خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ۔

حضرت مولانا مفتی محمد سہول بن افضل حسین رحمہ اللہ، خودنوشت نسب نامہ ونسبی شجرہ کے مطابق ۲۶ رویں پشت میں خلیفہ راشد، خلیفۂ سوم سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہیں، شجرہ کی حفاظت، نسب کا ضبط اور شجرہ طیبہ کے علمی وروحانی کارنامے اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ مفتی محمد سہول صاحب رحمہ اللہ عربی النسل ہیں، عرب کے ممتاز قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے ہیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی صلبی اولاد ہونے کے ناطے آپ ''عثمانی'' کہلاتے ہیں۔

نسب کا حفظ وضبط عربوں کی وہ خصوصیت ہے جس میں دیگر اقوام کا ان کے ساتھ موازنہ نہیں کیا جاسکتا، بلکہ عجمیوں کے ہاں انساب کے غیر محفوظ ہوجانے کی بنیاد پر فقہاء کرام نے تمام اعاجم کو ''کفو'' یعنی ایک دوسرے کا ہم سر قرار دیا ہے۔

نسب نامہ کا ماٰخذ:

حضرت مولانا مفتی محمد سہول عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے نسب نامہ اور دیگر احوال زندگی

کا بنیادی حصہ آپ کی خودنوشت تحریر ہے، آپ کی خودنوشت کی معلومات کا مآخذ خاندان وبرادری کے طویل العمر اشخاص کا بیان، پرانی مختلف محفوظ تحریرات اور اسی خاندان کے ایک بزرگ، حضرت مفتی صاحب کے پردادا مولوی رضی الدین رحمہ اللہ کا رسالہ ''تذکرۃ الانساب'' اور منظوم نسب نامہ ہے۔ اس کے علاوہ برسوں کی تحقیق کے نتیجہ میں تحریراتِ قدیمہ وجدیدہ سے اپنے سلسلۂ نسب کے بارے میں جو معلومات یکجا ہوسکیں، انھیں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی سوانح عمری کے ضروری حوالہ جات کے ساتھ ''تعلیم الانساب'' کے نام سے خود مرتب فرمارکھا تھا، جو تا حال مسودہ مخطوطہ کی شکل میں ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اس یادداشت میں ''تعلیم الانساب'' کی اہمیت، فضیلت اور قدر ومنزلت کو خالص ''عربی ذوق'' کے تحت اجاگر کرنے کے بعد پورے سلسلۂ نسب کا ممکنہ حدتک اصول وفروع کے زیرعنوان تعارف وتذکرہ پیش فرمایا ہے۔ ۲۶/اصول اور ہر اصل کے تحت مختلف فروع ہیں، مثلاً فرع اول، فرع دوم، فرع سوم کہہ کر کے ہر اصل کی اولاد کی تفصیلات درج کرنے کا اہتمام فرمایا گیا ہے۔ اصول سے مراد سلسلۂ نسب میں لکھے گئے اجدادِ امجاد ہیں اور فروع سے ان کی اولادوں کا تذکرہ وتعارف ہے، بالخصوص عربستان سے ہندوستان آنے کے بعد آپ کا خاندان کہاں آباد ہوا اور کیسے کیسے کہاں کہاں پھیلتا پھلتا چلا گیا؟ یہ تفصیلات اتنی عمدگی سے مرتب فرمائی گئی ہیں کہ ان تفصیلات کی روشنی میں آپ کے خاندان کے موجودہ افراد کو بآسانی ایک لڑی میں پرویا جاسکتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے ہندوستان میں ''نسل عثمانی'' کو جس انداز سے ضبط فرمایا ہے، اگر ان لڑیوں کے مختلف سروں کو کوئی یکجا کر کے محفوظ کرنا چاہے تو اسے کسی دشواری کا سامنا نہیں ہوگا، اور عثمانی خاندان کا ہر بچہ پورے اعتماد کے ساتھ اپنی عربی وعثمانی نسبت محفوظ رکھ سکے گا۔ ''تعلیم الانساب'' کے اس مسودہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے علمی وعملی مشاغل سے بے بسی کے زمانے میں اپنے ضعف اور جسمانی عوارض کے دور میں تقریباً ۱۳/برس لگا کر مکمل فرمایا ہے؛ چنانچہ خود تحریر فرماتے ہیں:

''اب جو کچھ لکھ رہا ہوں برسوں کی تحقیق کا نتیجہ ہے، مختلف اوقات، مختلف اشخاص، اور مختلف تحریرات قدیمہ وجدیدہ سے جو باتیں معلوم ہوتی گئیں ان کو بہ طور یادداشت قلم بند کرتا گیا؛ مگر چونکہ وہ یادداشت پراگندہ اور غیر مرتب تھیں؛ اس لیے آج تاریخ ۱۳/جمادی الاولیٰ روز پنجشنبہ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۸/جنوری ۱۹۳۳ھ سے اُن کل پراگندہ اور غیر مرتب امور کو مہذب اور مرتب کرنا شروع کردیا ہے، وماتوفیقی الا باللّٰہ ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔ اللہ تعالیٰ بہ حسن وخوبی انجام کو پہنچادے اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آئندہ نسل کو اس سے نفع

پہونچاوے، اوراس دینی خدمت کوقبول فرمائے''۔(تعلیم الانساب،ص:۷،۸)

حضرت کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ''تعلیم الانساب'' کی تسوید کا آغاز ۱۳؍جمادی الاولیٰ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۸؍جنوری ۱۹۳۳ء میں شروع فرمایا اوراختتام یکم رجب المرجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲؍جون ۱۹۴۶ء میں ہوا،مگر ہمارے علم کے مطابق یہ مسودہ تاحال طبع نہ ہوسکا،امید ہے کہ آپ کا خاندان اس کی اہمیت اورخاندانی ضرورت کے تحت اس قیمتی خزانہ کوحضرت کی موجودہ وآئندہ نسل تک پہنچانے کا مناسب انتظام کرے گا،وباللہ التوفیق!

نکاح:

دیوبند سے فراغت کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے آپ شاہ جہاں پور کے مقام پر مدرسہ عین العلوم میں صدر مدرس متعین ہوئے،نوسالہ غیبوبت کے بعد آپ کے برادر بزرگ مولوی محمد رسول مرحوم ایک دن اچانک آپ کے پاس آگئے اورآپ کواپنے ہمراہ آبائی وطن لے گئے، جہاں آپ کے انکار کے باوجود آپ کی شادی کا اہتمام کیا گیا،جس کی تفصیل آپ یوں رقم فرماتے ہیں:

''جب تقریباً آٹھ ماہ شاہجہان پور میں مدرسی کرچکا تو ایک دن بلا اطلاع شب کے وقت جناب بھائی مولوی محمد رسول صاحب مدظلہٗ یکا یک ہمارے پاس پہنچے، چونکہ تقریباً نوسال کے بعد بلاوہم وگمان ملاقات ہوئی تو میں نے ان کونہیں پہچانا؛مگرتھوڑی دیر کے بعد پہچان لیا اوردونوں بھائی لپٹ کرخوب دل کھول کر روئے،الغرض بھائی صاحب ممدوح مجھ کولے کر بھاگل پور روانہ ہوئے.....الغرض ۲۴؍سال کی عمر میں رمضان شریف ۱۳۱۹ھ میں نکاح ہوااورشوال ۱۳۱۹ھ میں رخصتی ہوئی،جن سے ہمارا نکاح ہوا ان کا سلسلۂ نسب حسب ذیل ہے:

بی بی فروقن بنت صغریٰ منشی محمد امجد بن محمد قائم ابن قدرت اللہ عرف ملا ھیگن بن محمد وحی بن شیخ الاسلام بن شیخ احمد سعید..... بی بی فروقن منکوحہ کمترین نہایت صالحہ اور بہت سی خوبیوں کی جامع تھیں؛مگرنہایت افسوس ہے کہ ان کا ماہ رجب ۱۳۲۰ھ میں انتقال ہوگیا اورایک لڑکی بی بی حمیدہ کوشیرخوار چھوڑ گئیں،دخترم بی بی حمیدہ بھی چھ سال کی عمر میں اپنی ماں سے مل گئی،انا للہ وانا الیہ راجعون''۔(تعلیم الانساب،ص:۱۶،۱۷)

عقد ثانی اوراولاد:

''قیام دیوبند کے زمانے میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے شدید اصرار کی وجہ سے جب کہ ہماری عمر اکتیس برس کی تھی، ۱۳۲۶ھ میں بی بی خدیجہ (۱۳۱۳ھ-۱۳۸۲ھ) چھوٹی لڑکی مولوی فقیر حسن صاحب مرحوم سرشتہ دار عدالت منصفی بھاگل پور سے عقد معہ رخصتی

ہوئی، بی بی خدیجہ کا سلسلۂ نسب حسب ذیل ہے:

بی بی خدیجہ (بنت صغریٰ) مولوی فقیر حسن صاحب صدیقی بن منشی انور علی صدیقی بن شیخ قاسم علی بن شیخ اکبر علی بن شیخ قاضی رحیم الزمان عرف بساون بن شیخ کریم الزمان عرف دولت صدیقی بن نیک محمد بن حضرت قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین شاہ محمد قاسم قدس سرہ العزیز کہ بخارا سے ۱۰۴۲ھ میں بھاگلپور تشریف لاکر موضع مجدنوگائین ضلع بھاگلپور میں قیام فرمایا۔ اسی موضع میں ان کا مزار ہے، بن شیخ ناظم علی بن شیخ نادر علی بن شیخ داور علی بن شیخ سراج الدین بن شیخ نظام الدین بن شیخ تاج الدین احمد بن فیض علی بن الطاف علی بن یعقوب علی بن رحمت علی بن عباس علی بن شیخ اسحاق احمد بن شیخ واصف علی بن شیخ مکرم الحق بن شاہ عاصم علی بن اکرام احمد بغدادی ان کا مزار بغداد کے شہر پناہ کے دروازے پر ہے، بن شیخ ظفر الاسلام بن شیخ عشق الاسلام بن شیخ عاشق احمد بن شیخ کاظم علی بن شیخ عبدالرزاق بن حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بی بی خدیجہ زوجہ ثانیہ کے بطن سے آج ۲۵ رشوال ۱۳۶۴ھ مطابق ۳ راکتوبر ۱۹۴۵ء تک گیارہ اولاد اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، ان میں سے پانچ نے نابالغی میں انتقال کیا اور باقی چھ بفضلہٖ تعالیٰ بقید حیات ہیں.....ان چھ اولادوں کا نام ترتیب وار یہ ہے:

۱- بی بی صفیہ سلمہا
۲- محمد احمد (تاریخی نام مظفر علی ہے [۱۳۳۰ھ])
۳- بی بی زکیہ سلمہا
۴- محمود احمد سلمہ (تاریخی نام محمد ظفیر احمد ہے [۱۳۳۵ھ])
۵- بی بی علیہ سلمہا
۶- امام الہدیٰ معروف مسرور احمد سلمہٗ۔

(تعلیم الانساب، ص: ۱۸، ۱۹)

اس کے بعد حضرت نے اپنی اولاد کی شادیوں اور اولاد کی تفصیلات تک قلمبند فرمائی ہیں، اب آگے ان کی آل اولاد کی ہمت ورغبت ہے کہ وہ نسب نامہ کی حفاظت کی عربی رسم کا پاس کہاں تک رکھتے ہیں، اپنی صدیقی وعثمانی نسبت کا تقدس کہاں تک سنبھالتے ہیں، آپ کی آل اولاد پاک وہند میں جہاں بھی ہے ان کی خوش بختی ہوگی کہ حق تعالیٰ شانہ کے مندرجہ ذیل وعدہ کا مصداق بننے کے لیے ایمان وعمل میں آگے بڑھیں:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ﴾ (الطور: ۲۱)

ترجمہ: اور جولوگ ایمان لائے اوران کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا، ہم ان کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے ساتھ شامل کردیں گے، اوران کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے۔ ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس رہے گا۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

حرمین اور بغداد سے بھاگل پور:

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ العزیز کا خاندان، مکہ، مدینہ اور بغداد سے ہوتا ہوا ہندوستان کے مشہور ومعروف علاقہ بھاگل پور میں جلوہ افروز ہوا اور یہیں دینی ونسبی نشو ونما پائی اور بھاگلپور آپ کا وطن اصلی تھا، اس لیے مکین سے مکان کی شہرت ہوئی اور مکان بھی آپ کی اور آپ کے خاندان کی شناخت میں شامل ہوگیا اور آپ علاقائی نسبت سے بھاگلپوری کہلانے لگے، اور ہندوستانی رسم کے مطابق اپنے دور میں علاقائی نسبت کا شہرہ خاندانی نسبت سے زیادہ عام رہا، چنانچہ تاریخ دارالعلوم دیوبند، سفرنامہ اسیر مالٹا اور بیس بڑے مسلمان وغیرہ میں آپ کو مولانا محمد سہول بھاگلپوری کے نام سے لکھا گیا ہے، بھاگلپور کی نسبت اس لیے بھی جچتی ہے کہ بھاگلپور گیارہ پشتوں سے آپ کے خاندان کا وطنِ مالوف رہا ہے، آپ کے گیارہویں جدامجد حضرت اقدس شیخ افقہ الدین عثمانی رحمہ اللہ جنہیں خود حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ''تعلیم الانساب'' کے اصطلاحی عنوان کے مطابق گیارہویں اصل سے تعبیر فرماتے ہیں، وہ بغداد سے ہندوستان بھاگلپور تشریف لائے تھے، ان کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''گیارہویں اصل حضرت مولانا شیخ افقہ الدین عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بن شیخ عبدالسلام عثمانی ان کا وطن موضع ''سنام''، ضلع بغداد میں تھا، اپنے زمانے کے بڑے عالم ودرویش تھے، گردش زمانہ کی وجہ سے اپنے وطن کو ترک کیا، اور رفتہ رفتہ شہر بھاگلپور میں پہنچے اور یہاں اپنے علوم وفیوض سے سب کو سرفراز فرمایا، اور جب ان کی شہرت ومقبولیت اطراف وجوانب میں پھیل گئی تو موضع ہمایون جو کجریلی کے نام سے مشہور ہے اور جو اس زمانہ میں علماء وشرفاء سے مملو تھا، وہاں تشریف لے گئے، اور وہیں قیام فرمایا، شیخ افقہ الدین رحمۃ اللہ علیہ کجریلی میں قیام کرکے اپنے زمانے میں اتباع شریعت اور پرہیزگاری، وسعت رزق اور اعزاز میں اپنے اماثل سے بہت زیادہ بڑھ گئے، تعلیم الانساب میں شیخ افقہ الدین سے متعلق مولوی فقیر حسن مرحوم کی ایک نظم میں یہ مضمون یوں بیان کیا گیا ہے:

وزات کو بغداد کے چھوڑکر حکومت سے دنیاکے منہ موڑکر
چلے آئے تھے افقہ الدین یہاں کہ ترویج دین ہو بہ ہندوستان

(ارمغان سخی، مصنفہ مولوی فقیرحسن مرحوم، بحوالہ تعلیم الانساب، ص:۸۵)

بھاگل پور کی علمی روحانی اور سیاسی سیادت:

چنانچہ ''شیخ عثمانی خاندان'' بھاگلپور کا علمی وروحانی خاندان شمار ہوتا ہے، آپ کے آباء واجداد کے علمی کمالات اور روحانی اثرات کی شہرت وفیض رسانی مقامی آبادی سے لے کر اقتدار کے ایوانوں تک پھیلی ہوئی تھی، نویں جدامجد شاہ کمال اہل علم کے بارے میں حضرت اپنی خودنوشت میں تحریر فرماتے ہیں:

''(نویں اصل) حضرت علامہ شاہ شیخ کمال اہل علم رحمۃ اللہ علیہ: حضرت علامہ شاہ شیخ کمال کو بادشاہ اسلام کی طرف سے ''اہل علم'' کا خطاب دیا گیا تھا اور موضع کجریلی اور دیگر چند مواضع ان کو بہ طور جاگیر کے وجہ معیشت میں دی گئی تھی، علامہ ممدوح اپنے دیار کے تمام علماء کے سردار شمار کیے جاتے تھے، اور ظاہراً وباطناً اتباع شریعت میں بہت مشہور اور نامور تھے، اور درویشی وولایت کو حضرت مولانا محمد شہباز رحمۃ اللہ علیہ ساکن محلّہ ملاچک بھاگل پور سے حاصل کیا تھا، الغرض دین ودنیا دونوں کے اعتبار سے معزز ومتاز تھے''۔ (تعلیم الانساب، ص:۷۲)

اسی طرح شیخ شاہ کمال اہل علم کے نواسے اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے پردادا، سلسلہ عثمانیہ کی چوتھی کڑی شیخ رضی الدین بن مولوی محمد علیم ہیں، ان کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''(چوتھی اصل) مولوی رضی الدین صاحب عثمانی مرحوم: ان کی تحریریں نظم ونثر میں متعدد دیکھی ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو عربی میں معتدبہ لیاقت اور فارسی میں کامل دستگاہ تھی، نسب نامہ منظوم اور تذکرۃ الانساب ان ہی کی تصنیف سے ہے، یہ بہت متواضع ودیندار تھے، صلہ رحمی اور حفظ نسب کا بہت خیال رکھتے تھے''۔ (تعلیم الانساب، ص:۳۳)

مزید فرماتے ہیں کہ:

''جو کچھ میں نے شیخ رضی الدین (نواسۂ شاہ کمال اہل علم) کی حالت حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ ودیگر بزرگوں سے سنی ہے وہ یہ ہے: شیخ رضی الدین مذکور اگرچہ خاندان کے اعتبار سے بہت شریف تھے، مگر علم اور مال کے اعتبار سے کالعدم تھے، اسی وجہ سے شادی کرنے کے بعد اپنے سسر شیخ محمد ساکن کربریا کے مکان میں مع اپنی بیوی کے رہتے تھے، (آگے شیخ مرحوم کے ساتھ ان کے سسر بزرگوار کی جانب سے بے التفاتی کا ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے، جس کے نتیجے میں

شیخ رضی الدین نے کمال شرافت کے ساتھ غیرت مندی کا ایک ایسا قدم اٹھایا کہ جاتے ہوئے اپنی اہلیہ محترمہ کو یوں خطاب کرتے ہوئے، سسر صاحب کے گھر سے لاپتہ ہوگئے کہ)''تم اپنے باپ کے یہاں رہو اور میں بھاگل پور چھوڑ کر دوسری جگہ جاتا ہوں اور جب تک اللہ تعالیٰ مجھے کسی بڑی معزز جگہ میں ممتاز نہیں کرے گا میں یہاں نہیں آؤں گا'' یہ کہہ کر اپنے سسر شیخ محمد کے مکان موضع کربریا سے نکل کر لاپتہ ہوگئے، اور فقیری اور طالب علمی کرتے ہوئے رفتہ رفتہ شہر دہلی میں پہونچے اور وہاں شاہی مدرسہ میں طالب علمی شروع کردی، اور دیگر طلبار سے ممتاز سمجھے جانے لگے اور چند سال میں بہت مشہور عالم ہوکر شاہی مدرسہ میں مدرس ہوگئے اور ترقی کرتے کرتے اعلیٰ ہوگئے، اس زمانہ میں عالمگیر بادشاہ سے دکن کے باغیوں کی بہت سخت لڑائی تھی، چونکہ شیخ رضی الدین فن جہاد اور بہادری میں بہت ممتاز سمجھے جاتے تھے، اس لیے بادشاہ کی طرف سے سپہ سالار اعظم بنا کر جہاد کے لیے بھیج دیے گئے، شیخ رضی الدین فتح حاصل کرکے جب دہلی واپس ہوئے تو عالمگیر بادشاہ ان سے بہت خوش ہوا اور ان سے کہا کہ تم کیا چاہتے ہو، تو انھوں نے اپنا ضروری حال مختصر بیان کرکے کہا کہ: میں اپنے وطن بھاگل پور میں جانا چاہتا ہوں، مجھ کو اپنے وطن پہنچانے کا عمدہ سامان کردیا جائے اور اپنے وطن بھاگل پور میں جب میں پہنچ جاؤں تو بھاگل پور کے حکام سے جو میں چاہوں پورا ہوجاوے، بادشاہ نے ان کی اس خواہش کو منظور کیا اور نہایت جاہ وحشم کے ساتھ شیخ رضی الدین اپنے وطن پہنچے اور اپنے آبائی مکان سے کچھ فاصلہ پر اجنبی بن کر شاہی افسر ہوکر قیام کیا اور بہت زیادہ داد ودہش کرنا شروع کیا، خصوصاً اپنی بستی کے لوگوں کے ساتھ بہت زیادہ ہر طرح سے ہمدردی کرنے لگے، شیخ رضی الدین صاحب ممدوح کی والدہ اس وقت زندہ تھیں اور اپنے بیٹے کے یکا یک لاپتہ ہوجانے اور عرصہ دراز تک ان کا حال نہ جاننے کی وجہ سے بے انتہا مغموم ہوکر نابینا ہوگئی تھیں، شیخ رضی الدین نے اپنی ہوشیاری اور دانائی کی وجہ سے اپنی والدہ پر اپنے کو آہستہ آہستہ ظاہر کیا''۔ (تعلیم الانساب، ص:۷۱،۷۲)

حضرت مفتی صاحبؒ کے بقول شیخ رضی الدین کے احوال ان کی اپنی تحریر ''تذکرۃ الانساب''، مآثر الامراء، مؤلفہ: میر عبدالرزاق اور مآثر عالمگیری مؤلفہ: محمد ساقی مستعد خان میں بزبان فارسی موجود ہیں۔

ان تینوں کتابوں سے آپ کے احوال اخذ کرکے خاندانی روایات کی روشنی میں حضرت مفتی محمد سہول صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے احوال وواقعات تحریر فرمائے ہیں، مذکورہ تینوں کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ رضی الدین نے کبرسنی میں تعلیم شروع کرکے نہ صرف یہ کہ طلبار وعلمار کے

درمیان نمایاں مقام پایا؛ بلکہ اپنی خداداد صلاحیتوں اور خاندانی نجابت وبسالت کی بنیاد پر بادشاہ وقت اورنگ زیب عالمگیر مرحوم کی مردم شناس نگاہوں میں مقام بھی پالیا تھا اور انھوں نے اپنی حکومت کے بعض باغیوں کی سرکوبی کے لیے حیدرآباد دکن کی مہم کے لیے شیخ رضی الدین کو بہ طور سپہ سالار اعظم کے نامزد کیا اور وہ بحمداللہ مہم سر کرکے دہلی پہنچے تو اورنگ زیب نے آپ کے عالمانہ مقام اور دبدبے کے ساتھ ساتھ آپ کے آبائی وطن بھاگل پور کے حکام کی سرپرستی وبالادستی سے نوازا اور آپ کا دنیوی مقام ودبدبہ بھی آشکارا فرمایا؛ چنانچہ برسہا قبل ایک گھریلو بے التفاتی وبے وقعتی پر غیرت کا قدم اٹھا کر لاپتہ ہونے والا رضی الدین بھاگل پور کا رئیس الامراء بن کر واپس لوٹا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی مانند دھیرے دھیرے اپنے آپ کو ظاہر فرمایا۔

چنانچہ مذکورہ کتابیں آپ کا تعارف کراتے ہوئے بتاتی ہیں کہ ”شیخ رضی الدین از اشراف بھاگل پور، بہارست، فاضل متبحر در مؤلفین فتاویٰ عالمگیری منخرط بود“۔

”حکومت وقت کے تحت بڑی مہمات سر کرنے کی بنا پر دستورزمانی کے مطابق رضی الدین خان کا لقب بھی پایا، اور بالآخر صوبہ برار (بہار) میں ایک معرکہ جہاد میں ۱۰۹۷ھ میں شہادت سے سرفراز ہوئے“۔ (الاعلام بمن فی تاریخ الھند من الأعلام ”نزھۃ الخواطر“ عبدالحی الحسنی، حرف الراء، برقم: ۲۳۵، القرن الحادی عشر، ج:۵، ص:۵۳۰، ط: دار ابن حزم۔ فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین، ص:۱۰۵، از مجیب ندوی، ط: دیال سنگھ لائبریری)

کان پور میں تعلیم وتدریس:

کان پور میں آپ نے تعلیم کا آغاز کیسے کیا؟ اور کہاں کہاں سے ہوتے ہوئے کیسے کیسے مراحل سے گزر کر کان پور کی کن کن درسگاہوں کو اپنا وطن بنائے رکھا؟ اور کن کن اساتذہ ومشائخ سے کیا کیا استفادہ کیا؟ اس کی تفصیلات خودنوشت میں یوں درج ہیں:

آغاز تعلیم، مختلف مراحل ومشکلات:

”میں نے اپنے ہوش میں والد کو اردو مڈل ورنیکلر اسکول واقع موضع پورینی ضلع بھاگل پور میں مدرس پایا اور اسکول کے خارج وقت میں اپنے مکان پر بہ طور خود تعلیم دیتے تھے؛ اس لیے ہماری تعلیم ابتدا سے زلیخا اور انشائے خلیفہ تک والد مرحوم ہی سے ہوئی۔

اور اسکول مذکورالصدر میں بھی حساب، اردو، ہندی پڑھتا رہا۔ جب میں اسکول سے سیکنڈ کلاس (درجہ دوم) میں پہنچا تو حسب اتفاق اسکول ٹوٹ گیا، غرضے کہ اسکول کی تعلیم ہماری موقوف ہوگئی اور والد مرحوم کی نوکری بہ وجہ کبرسنی کے سرکاری قاعدہ سے قبل ہی موقوف ہوگئی تھی اور چونکہ

اسکول کی ملازمت پر اتنی طویل مدت نہیں گزری تھی کہ پنشن کے مستحق ہوتے؛ اس لیے کچھ روپیہ بہ طور انعام کے گورنمنٹ نے ان کو دیا اور علیحدہ کر دیا، حضرت والد مرحوم کی غایت ضعیفی کا عالم اور نوکری کا موقوف ہونا اور چھ سات آدمی کے خوردنوش کا بار یہ تینوں باتیں مل کر مفلسی اور تنگدستی اور فاقہ کشی وغیرہ تکالیف کی انتہا ہوگئی۔ ایسی حالت میں ہمارے پڑھنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ اتفاقاً جب کہ ہماری عمر غالباً دس گیارہ برس کی ہوگی تقاضۂ سن کی وجہ سے ہم سے اور ہماری چھوٹی بہن عزیزی وصالاً سلمہا سے لڑائی ہوئی اس لڑائی میں ہماری زبان سے عزیزی سلمہا کے بارے میں ناگوار الفاظ نکل گئے، اس وجہ سے والد مرحوم کو بہت غصہ ہوا اور مجھ کو گھر سے نکال دیا، میں والد مرحوم کے ڈر سے پورینی سے بھاگلپور چلا گیا وہاں ملا چک میں ہماری علاتی ہمشیرہ بی بی شافعہ زوجہ مولوی اظہر حسین ہاشمی کا مکان تھا، ہمشیرہ ممدوحہ کے پاس چلا گیا وہاں چند روز تک جب قیام کے بعد مولوی اظہر حسین صاحب ممدوح کو ہمارا قیام ان کے پاس گراں گزرا اور مجھ کو صاف لفظوں میں کہا کہ تم اب اپنا انتظام کرو۔ اس واقعہ کو جب مولوی اظہر حسین صاحب کے بھائی مظفر حسین نے سنا تو ان کو اظہر حسین صاحب کے اس کلام سے نہایت ملال ہوا اور اپنے پاس مجھ کو بلا کر رکھا چند روز میں بھائی مظفر حسین ہاشمی کے پاس رہا اور اسی درمیان میں جناب استاذی مولانا شاہ اشرف عالم صاحب سجادہ نشین خانقاہ حضرت قدوۃ العارفین مولانا شاہ بازمحمد کی خدمت میں خود حاضر ہو کر خانقاہ مذکور میں جاگیر مقرر کرایا اور بھائی مظفر حسین صاحب کے پاس سے قیام ترک کر کے خانقاہ میں قیام اختیار کیا۔ خانقاہ میں دونوں وقت تین تین چھٹانک کا بھات اور کچی ماش کی بھوسی بھری دال جس میں صرف نمک اور پانی ہوتا تھا، روزانہ دونوں وقت فقط یہی ملتا تھا، ترکاری کسی قسم کی کبھی نہیں اور نہ کبھی چٹنی وغیرہ کچھ بھی نہیں، تقریباً ۴ برس عاجز اُسی خانقاہ میں طالبعلمی کرتا رہا اور یہی کھاتا رہا، اول اول جب میں خانقاہ گیا تو چند ماہ تک انگریزی پڑھتا رہا؛ مگر میں والد صاحب کے ڈر کی وجہ سے مکان نہیں گیا، بالآخر جناب بھائی مولوی محمد رسول صاحب مدظلہ العالی مجھ کو مکان لے گئے، والد نے کہا بہتر ہو کہ تم عربی شروع کرو؛ تاکہ خاندان کا علم باقی رہے، والد کے فرمانے سے میں بھاگلپور آکر استاذی حضرت مولانا شاہ اشرف عالم صاحب کی خدمت میں عربی پڑھنے کی درخواست کی، مولانا ممدوح نے ہماری درخواست قبول فرمائی اور میزان الصرف شروع کرادی۔

مولانا ممدوح کی شفقت اس عاجز پر رفتہ رفتہ اس قدر ہوگئی کہ حضرت استاذی اپنے خلاف عادت روزانہ بعد المغرب صرف ہمارے مشق کرانے کے لیے عشاء تک خانقاہ میں نشست فرمانے لگے، رفتہ رفتہ حضرت استاذی نے اپنے اوپر مغرب سے عشاء تک خانقاہ میں قیام لازم

فرمالیا اور عمر بھر اس کو انجام دیا، بہر کیف نہایت محنت اور شفقت کے ساتھ حضرت استاذی نے مجھ کو تعلیم دینا شروع کیا، مجھ کو خوب یاد ہے کہ جب میں نے کافیہ شروع کیا تو والد مرحوم نے والدہ مرحومہ سے میرے سامنے نہایت مسرت کے ساتھ فرمایا کہ: اب ہمارا بیٹا مولوی ہوجائے گا۔

غرضے کہ والد مرحوم کو ہمارے عربی پڑھنے سے نہایت مسرت تھی، جب میں کافیہ پڑھتا تھا اسی زمانہ میں والد مرحوم کا انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون! والد مرحوم کی وفات کے بعد افلاس اور تنگدستی اور بھی زیادہ ہوگئی فاقہ پر فاقہ گزر جاتا تھا، ایسا بہت ہوا ہے کہ تاڑ کے زمانہ میں دوسروں سے تاڑ طلب کیا گیا اور اس سے بھوک دفع کر کے اس کی گٹھلی مالک کو واپس دے دی گئی۔

میں اسی تنگدستی کی وجہ سے بھاگلپور سے پورینی کئی کئی ماہ بعد آتا تھا اور اپنی طالبعلمی کی خوراک سے تھوڑا تھوڑا چاول کاٹ کاٹ کر اکثر جمع کرتا تھا، جب سیر دو سیر چاول ہوجاتا تھا تو اس کو لے کر والدہ مرحومہ کی خدمت میں جاتا تھا تو وہ بہت خوش ہوتی تھیں اور اس کو پکا کر خود بھی کھاتی تھیں اور اپنے بچوں کو بھی کھلاتی تھیں غرضے کہ والد اور والدہ کی تنگدستی اخیر عمر میں حد سے زیادہ رہی؛ مگر صبر کے ساتھ اس زمانہ کو انھوں نے کاٹا۔ غرضے کہ تقریباً ۴ سال میں خانقاہ ملا چک میں طالبعلمی کرتا رہا، اسی زمانہ میں استاذی حضرت مولانا شاہ عالم صاحب برادر مولانا شاہ اشرف عالم صاحب سے بھی عربی وفارسی پڑھی۔

اور استاذی جناب مولانا محمد وحید صاحبؒ جو تقریباً ۸۰ یا ۹۰ سال کے ہونگے اور فن منطق سے خوب واقف تھے، ان کی خدمت میں شرح تہذیب اور مناظرہ رشیدیہ پڑھا، یہ دونوں کتابیں قلمی بہ خط میرے پاس تھیں، مولانا اپنی ضعیفی کی وجہ سے لیٹے رہتے تھے اور میں عبارت پڑھتا تھا تو وہ مطلب بیان فرماتے تھے۔ خود ضعف بصر کی وجہ سے مطلقاً کتاب نہیں دیکھتے تھے اور جناب مولانا شفاعت حسین صاحب گیاوی جو بھاگلپور خلیفہ باغ کی مسجد میں مدرسہ اسلامیہ کے مدرس مقرر ہوئے تھے ان سے بھی کچھ فقہ اور منطق پڑھا۔ استاذی مولانا شفاعت حسین صاحب سے ہندوستان کے مشہور تعلیم گاہوں کا پتہ معلوم ہوا، حضرت مولانا شفاعت حسین صاحب سے ملاقات کے قبل کسی درسگاہ سے میں واقف نہیں تھا، مولانا شفاعت حسین صاحب سے ہندوستان کے بڑے بڑے مدارس اور علماء کا تذکرہ سن کر بیحد شوق ہوا کہ کسی طور سے وہاں جا کر علم حاصل کروں۔

ایام قیام خانقاہ ملا چک میں والد مرحوم و نیز استاذی مولانا شاہ اشرف عالم صاحب برابر تاکید فرماتے تھے کہ حضرت مولانا شاہ بازؒ کے مزار کے قریب اور حضرت ممدوح کے مقام درس و نشست کی جگہ پر بیٹھ کر مطالعہ دیکھا کرو اور یاد کیا کرو تو برکت ہوگی، اس وجہ سے میں رات و دن

انھیں مقامات پر اکثر کتب بینی کرتا تھا، جس کا بیّن فائدہ میں محسوس کرتا تھا۔ غرضے کہ جب مشاہیر درس گاہوں میں حاضری کا شوق مجھ پر غالب ہوا اور کوئی سامان زادراہ کا ہمارے پاس نہیں تھا؛ اس لیے بہت متردد و متفکر رہتا تھا؛ مگر سبق برابر پڑھتا تھا۔

اتفاقاً ہمارے حقیقی پھوپھی زاد بھائی جناب مولوی فقیر حسن صاحب برشتہ دار مرحوم کی بیوی نے مجھ کو کچھ روپیہ دیا کہ شہر بھاگلپور کے فلاں دکان میں اس قدر روپیہ جمع کردینا اور فلاں فلاں چیز خرید کر کے لادینا، مجھ پر سفر کا شوق غالب تھا۔ اس میں سولہ روپیہ تو میں نے ان روپیوں میں سے اپنے پاس رکھ لیا اور باقی روپیہ کو مصرف میں خرچ کیا۔

اور کل چیزیں اپنے دوست قلبی مولوی محمد یٰسین صاحب بہاری جو اسی خانقاہ میں طالبعلمی کرتے تھے، ان کے حوالے کردیا کہ کل چیزیں پورینی پہنچوادینا، اس وقت نورالانوار شرح وقایہ۔ قطبی بندہ پڑھتا تھا اور غالباً ہماری عمر اس وقت سولہ برس کی تھی اور ابتدائے پیدائش سے اس وقت تک ریل پر سوار نہیں ہوا تھا، چونکہ مولوی یٰسین صاحب مرحوم ریل کی سواری سے واقف تھے، اس لیے وہ ہمارے ساتھ اسٹیشن بھاگلپور جاکر آرہ کا ٹکٹ خرید کر کے ریل پر سوار کردیا، اس زمانہ میں مولانا ابراہیم صاحب کا مدرسہ احمدیہ آرہ میں بہت مشہور ہورہا تھا؛ اس لیے وہاں کا ارادہ ہوا، جب مدرسہ احمدیہ میں پہنچا تو چونکہ وہاں سب لوگ غیر مقلد تھے؛ اس لیے دل نہیں لگا؛ حالانکہ اس مدرسہ میں بعض لوگ ہماری برادری کے بھی پڑھتے تھے، حکیم عبداللطیف جواب قادیانی ہیں، انھوں نے مجھ کو روکنا چاہا؛ مگر میں نہیں رکا اور وہاں سے کانپور روانہ ہوگیا، مدرسہ احمدیہ ہی میں ایک طالب علم کانپور کے جو بہت خوشحال تھے بوجہ غیر مقلد ہونے کے پڑھتے تھے۔ انھوں نے اپنے والد کے نام ایک خط ہمارے کھانے پینے کے واسطے لکھ دیا، غرضے کہ میں کانپور پہنچا اور سیدھا اسی طالب علم کے والد کے پاس پہنچا انھوں نے فوراً اپنے گھر میں ہمارا کھانا مقرر کردیا، اس وقت کانپور عربی تعلیم کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اور مشاہر علماء ہندو وہاں تعلیم دیتے تھے، بڑے بڑے کئی مدرسے تھے۔

میں تو بھاگلپور میں استاذی مولانا شفاعت حسین صاحب سے استاذ الفضلاء حضرت حاجی صوفی مولانا احمد حسن صاحب کی بے انتہا تعریف سُن چکا تھا؛ اس لیے ان کی خدمت میں کانپور حاضر ہوا مگر اسی زمانہ میں وہ سفر حج کے سامان میں تھے؛ اس لیے اسباق کو رفتہ رفتہ موقوف کررہے تھے، جب یہاں اسباق کا انتظام نہیں ہوا تو مدرسہ جامع العلوم میں گیا، اس وقت اس مدرسہ کے مدرس اول حضرت حافظ حاجی قاری حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہ تھے۔ وہاں اسباق کا معقول انتظام ہوگیا اور نورالانوار، قطبی، ہدیہ سعیدیہ وہاں شروع کیا۔

حضرت حافظ مولانا محمد اسحٰق صاحب بردوانی مدظلہ العالی اور مولانا محمد رشید صاحب کانپوری کی خدمت میں اسباق ہونے لگے۔ مدرسہ جامع العلوم اس زمانہ میں بہت عروج پر تھا، کئی سو طلبہ وہاں پڑھتے تھے۔ اور بااعتبار تعلیم علوم دینیہ حدیث وتفسیر فقہ وغیرہ میں وہ مدرسہ بہت ممتاز تھا، اور علوم عقلیہ منطق فلسفہ وغیرہ کی طرف وہاں توجہ کم تھی اور اس وقت مجھ کو علوم عقلیہ کا بہت زیادہ شوق تھا؛ اس لیے جامع العلوم میں دل نہیں لگتا تھا جب مولانا احمد حسن صاحبؒ تیسری مرتبہ حج کو تشریف لے گئے اور مکہ معظّمہ میں اپنے مرشد شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی خدمت میں زیادہ روز کے قیام کا ارادہ ہوا تو مدرسہ فیض عام میں ان کی جگہ پر استاذی حضرت مولانا محمد فاروق صاحبؒ اعظم گڑھی (چریاکوٹی) مقرر ہوئے، حضرت ممدوح اپنے زمانہ میں علوم عقلیہ اور فنون ادب میں بے نظیر تسلیم کیے جاتے تھے، علامہ شبلی نعمانی کو ان کی شاگردی پر فخر تھا، علامہ ممدوح ان کے مخصوص شاگرد تھے، جب مدرسہ فیض عام میں مولانا فاروق صاحب تشریف لائے، تو طلبہ کا امتحان لے کر اپنے مدرسہ میں داخل کرنا شروع کیا، اور خود مولانا فاروق صاحب کی خدمت میں تلخیص اور قطبی تصدیقات شروع کیا، اور بحمد اللہ ان کی خدمت میں یہ دونوں پوری ہوئیں اور جس طرح میں چاہتا تھا اس سے بدرجہا بہتر اور نفیس طور پر ہوئی۔

فن تصدیقات ومعانی وبلاغت میں حضرت ممدوح کی خدمت میں بحمد اللہ مجھ کو اچھی مناسبت ہوگئی، اسی زمانہ میں مکان سے آنے کے ایک سال بعد میں کانپور میں سخت علیل ہوا، اسی علالت کے زمانہ میں جناب بھائی مولوی محمد محفوظ صاحب وکیل اپنے مرشد قدوۃ السالکین امام الواصلین حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی خدمت سے واپسی کے وقت کانپور تشریف لائے، اور مجھ کو علالت کی حالت میں دیکھ کر اپنے ساتھ مکان لے جانے کو مستعد ہوئے، مگر میں مکان جانے پر اس لیے راضی نہیں ہوا کہ مکان پہنچ کر پھر واپس ہونا بہت دشوار معلوم ہوگا کیونکہ اپنی اور والدہ مرحومہ کی شدید افلاس سے میں واقف تھا مگر جب کہ ہمارے کل احباب ہماری حیات سے ناامید ہوگئے تو سبھوں نے مجھ کو کانپور میں ریل پر سوار کر دیا، اور بھاگلپور کا ٹکٹ خرید کر مجھ کو دیدیا، اللہ کے فضل سے ریل پر بیماری میں بہت زیادہ تخفیف ہوگی، یہاں تک کہ خلاف توقع مکامہ اسٹیشن پر اتنی قوت آگئی کہ بلا کسی مدد کے میں ریل سے خود اترا اور مسافر خانہ میں پیدل چلا گیا۔ اور پھر دوبارہ جب بھاگلپور جانے والی گاڑی آئی آئی تو اس پر سوار ہوگیا اور اسی حالت میں بھاگلپور پہنچا اور اخیر شب میں فوراً اسٹیشن بھاگلپور سے پورینی روانہ ہوگیا چونکہ میں بلا اطلاع کانپور چلا آیا تھا اور ہمارے کانپور آنے کے بعد ہماری چھوٹی بہن کی شادی ہوئی، اس لیے والدہ صاحبہ اور دیگر اقارب کو زیادہ

صدمہ تھا، بہرکیف جب میں خلاف توقع اچانک مکان پہنچا تو سب کو بے انداز خوشی ہوئی، الغرض جناب والدہ صاحبہ مرحومہ مجھ کو لے کر جناب ہمشیرہ صاحبہ بی بی شافعہ مرحومہ کے مکان محلّہ ملا چک شہر بھاگلپور تشریف لائیں اور جناب حکیم امیر حسن صاحب سے علاج شروع ہوا، حکیم صاحب موصوف نہایت غریب نواز اور دست شفا والے اور والد صاحب مرحوم سے مراسم رکھتے تھے۔

ان کے علاج سے اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرمائی اور میں اپنے مکان پورینی واپس ہوا، اس کے بعد ہی فوراً جناب ہمشیرہ موصوفہ کو ہیضہ ہوا اور ان کا انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون! جب میں تندرست ہوگیا تو برادری کے بعض لوگوں نے والدہ سے بہت زیادہ خواہش ظاہر کی اور کہا کہ سہول کی شادی ہماری لڑکی سے اگر کرادو تو اس کی تعلیم کا کل خرچ میں دوں گا، والدہ مرحومہ راضی بھی ہوگئیں، اور مجھے قبول فرمانے کو کہا، مگر دو وجہ سے میں نے انکار کردیا، اول تو میں نے اپنے پڑھنے کے منافی شادی کرنے کو سمجھا، دوم ہماری طبیعت میں فطرتاً ہمیشہ سے یہ مضمون ہے کہ اپنی منکوحہ کے میکہ کے مال سے اپنی ضرورتوں کو رفع کرنا بے غیرتی سمجھتا ہوں، الغرض جب میں تندرست ہوگیا، اور پھر پڑھنے کے لیے کانپور جانے کا ارادہ ہوا اور زادِراہ کی سخت دشواری ہوئی۔

مگر جناب بھائی مولوی محمد رسول صاحب مدظلہ العالی نے قرض لے کر کانپور کا کرایہ دے دیا، اور میں کانپور پہنچا، چونکہ میں کانپور علالت کی وجہ سے دیر میں پہنچا، اس لیے حسب قاعدہ مدرسہ سے ہمارا کھانا موقوف ہوگیا تھا، جب میں وہاں پہنچا تو مجھ کو جاگیر چھوٹ جانے کی خبر ہوئی، چند روز تو دوست احباب سے کچھ قرض لے کر کھایا، بالآخر فاقہ کی نوبت آئی، اور تین وقت مسلسل فاقہ پر گزرا، چوتھے وقت غایت کمزوری کی وجہ سے میں مدرسہ نہیں جاسکا، اس کے قبل برابر جاتا تھا، مگر میں نے اپنے احباب میں سے کسی پر اپنا حال ظاہر نہیں کیا، چوتھے وقت جس مسجد میں بندہ رہتا تھا، اس میں تنہا بیٹھا ہوا تھا کہ یکا یک ایک شخص اجنبی تشریف لاکر ہمارا حال دریافت کیا، اور غالباً مبلغ پانچ روپیہ مجھ کو دے کر چلے گئے، اس کے بعد ہی مدرسہ میں کھانا بھی مقرر ہوگیا، اس تاریخ سے آج تک بحمداللہ کبھی فاقہ کی نوبت نہیں آئی، الغرض کانپور میں تقریباً چھ سات برس تک میں رہا، اور وہاں مدرسہ جامع العلوم محلّہ ٹپکاپور، مدرسہ فیض عام مکھنیان بازار، مدرسہ دارالعلوم مسجد تقی چھوٹا بوچڑ خانہ، مدرسہ دارالعلوم مسجد رنگیان چھوٹا بوچڑ خانہ، مدرسہ احسن المدارس نئی سڑک میں پڑھا۔

ایام قیام کانپور میں استاذ الفضلاء حافظ حاجی حضرت مولانا احمد حسن وحضرت مولانا محمد فاروق چریاکوٹی، مولانا حافظ محمد اسحاق صاحب مدظلہ العالی بردوانی، مولانا محمد رشید صاحب کانپوری، حضرت مولانا نور محمد صاحب پنجابی، رئیس الاذکیاء مولانا عبدالوہاب صاحب بہاری،

مولانا خیرالدین صاحب مدظلہ پنجابی، مولوی فضل احمد صاحب پنجابی، مولوی فیض رسول صاحب پنجابی سے میں نے تعلیم پائی۔

مگراب ان میں سے جناب مولانا احمد حسن صاحب ومولانا نور محمد صاحب کی خدمت میں زیادہ روز تک استفادہ علوم وفنون کا کیا، اور مولوی فضل احمد صاحب مولوی فیض رسول صاحب کی خدمت میں بہت قلیل روز تک پڑھا۔

کانپور میں چونکہ متعدد مدرسے اور بڑے بڑے علماء درس دیتے تھے، اس لیے ہر طرح کے طلبہ بکثرت موجود تھے، اور جو طالب علم زیادہ ممتاز ہوتے تھے، ان سے بکثرت طلبہ پڑھتے تھے، چنانچہ میں نے بھی اپنا انداز یہی رکھا کہ کبھی تین سبق سے زیادہ نہیں پڑھا، اور باقی وقتوں میں طلبہ کو پڑھاتا تھا، اور الحمدللہ مجھ سے طلبہ بکثرت پڑھتے تھے، اور پڑھانے والے طلبہ میں سے ہم پر بھی بفضلہٖ تعالیٰ اچھی نگاہ پڑتی تھی، اسی زمانہ میں مولوی حکیم انعام الحق صاحب ساکن پورینی ضلع بھاگلپوری نے بھی شرح تہذیب وغیرہ مجھ سے پڑھی ہے، اور مولوی حکیم عبداللطیف ساکن پورینی ضلع بھاگلپور بھی ہدیہ سعیدیہ کے سبق میں ہمارے یہاں شریک تھے، نہایت افسوس ہے کہ وہ آج کل قادیانی میں داخل ہوکر خارج عن الاسلام ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون''۔ (تعلیم الانساب، ص:۸ تا ۱۵)

حیدرآباد میں تعلیم وتدریس:

حضرت مفتی محمد سہول عثمانی قدس سرہٗ کان پور کے مختلف مدارس میں کبار اہل علم اور ماہرین علوم آلیہ سے بھرپور استفادہ کے بعد نئی علمی جولان گاہ کی تلاش میں اپنے چند رفقاء کے ساتھ، ہزاروں دشواریوں کا زادِ سفر لے کر عجائب وغرائب دیکھتے ہوئے، مشکلات ومصائب جھیلتے ہوئے دو ماہ کا پیدل سفر طے کرکے مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن پہنچے اور وہاں علوم عقلیہ کی تعلیم وتحصیل کے ذریعہ بے گانگی وبے سروسامانی کا منہ چڑانے لگے، خود تحریر فرماتے ہیں:

''.....تو بندہ مع اپنے پانچ دوستوں (جن میں سے کچھ کے نام آپ کے صاحبزادے مولوی محمود احمد صاحب مرحوم نے ''تعلیم الانساب'' کے حاشیہ پر اپنی یادداشت کے مطابق درج کیے ہیں، شمس العلماء مولانا یحییٰ سہسرائی، مولانا مبارک کریم بہاری، اور حضرت خود) کے حضرت استاذ الہند مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی مفتی عدالت عالیہ نظام حیدرآباد کی خدمت میں پڑھنے کے شوق سے پیدل روانہ ہوئے، راہ میں جھانسی، للت پور، بھوپال، ہوشنگ آباد، بھوساول، نماڑ، شعلہ پور، برہان پور ہوتا ہوا اور بکثرت عجائب وغرائب دیکھتا ہوا اور مہالکہ عظیمہ میں مبتلا ہوتا ہوا دو ماہ میں نظام حیدرآباد، ہزاروں دشواری کے ساتھ پہنچا، اس دو ماہ کے پیادہ سفر کی تفصیلی حالت اگر لکھی

جائے تو ایک دفتر عظیم ہوجائے، الغرض حیدرآباد پہنچ کر مدرسہ نظامیہ میں ہم سب اصحاب ستہ داخل ہوئے۔

اس وقت وہاں صدرالمدرسین استاذی جناب مولانا عبدالوہاب صاحب بہاری تھے، جو علوم عقلیہ میں بے نظیر تھے، ہم سب اصحاب ستہ کا سبق مولانا ممدوح کی خدمت میں شروع ہوا۔ اور میں نے شمس بازغہ، قاضی مبارک، میرزاہد، امور عامہ، توضیح تلویح، سبعہ معلقہ، مسلم الثبوت، مولانا ممدوح سے حیدرآباد میں پڑھیں، اور استاذ الہند مولانا لطف اللہ صاحب ممدوح الصدر کی خدمت میں پھر تصریح، قاضی مبارک، تلویح توضیح، میں شریک رہا، الغرض جب حیدرآباد میں تقریباً دوسال تک قیام کرچکا اور علوم عقلیہ کے پڑھنے سے فراغت ہوگئی تو علوم دینیہ کی تکمیل کی غرض سے دارالعلوم دیوبند، ضلع سہارنپور حیدرآباد سے بذریعہ ریل روانہ ہوا، دہلی میں پہنچ کر تقریباً پورا رمضان شریف جناب سید مولانا نذیر حسینؒ محدث کی خدمت میں رہا، مگر مولانا ممدوح کی غیر مقلدی اور حنفیہ کے ساتھ بے جا تعصب اور شیخ فانی ہونے کی وجہ سے نہیں رہ سکا اور عیدالفطر کی نماز کے بعد ہی دیوبند روانہ ہوگیا۔ (تعلیم الانساب: ص: ۱۵، ۱۶)

دیوبند میں:

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ علوم آلیہ اور علوم عقلیہ میں ثقاہت وکمال سے آراستہ وپیراستہ ہونے کے بعد علوم عالیہ ودینیہ کی آخری تعلیمی نسبت کے لیے فکرمند تھے، اس وقت علوم عالیہ اور علوم حدیث کی تعلیم کا چرچا، شہرہ، غلغلہ اور ڈنکا علماء دیوبند کا بجتا تھا، مگر علمائے دیوبند کے بارے میں معاندین کا پروپیگنڈہ بھی زوروں پر تھا، جہاں جہاں علمائے دیوبند کا علمی شہرہ اٹھتا، وہاں افترا پردازی کا تعفن بھی عام کردیا جاتا تھا، اور انھیں نجدیت ووہابیت کے القاب سے نوازا جاتا تھا، اس پروپیگنڈے اور تعفن کے اثرات سے علوم دینیہ سے وابستہ طبقہ یا علوم نبوت کا رُخ کرنے والے تشنگانِ علوم نبوت بمشکل بچ پاتے تھے، علمائے دیوبند کے بارے میں ایسے ہی ماحولیاتی اثرات سے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ بھی دوچار تھے، ماحولیاتی اثرات وہاں جانے سے پاؤں کی بیڑیاں بنے جارہے تھے، ایسے موقع پر گھر سے بے گھر ہونے کا فیصلہ کرنے والے، مہینوں مہینوں کے پیدل اسفار طے کرنے والے، علم کے لیے کئی کئی دنوں کی فاقہ کشی برداشت کرنے والے اور علم وفن کو ان کے ارباب کمال سے سیکھنے کے خوگر پُرعزم انسان نے دیوبند جانے کی ٹھان لی اور نفس کو یوں تسلی دی کہ اگر وہاں نہ رہ سکا تو ؎

''ملک خدا تنگ نیست، پائے گدا لنگ نیست''

پر عمل کرلیں گے؛ چنانچہ حیدرآباد سے دیوبند جانے کی روئیداد کے لیے رقم طراز ہیں:

''الغرض حیدرآباد میں تقریباً دوسال تک قیام کرچکا اور علوم عقلیہ پڑھنے سے فراغت ہوگئی تو علوم دینیہ کی تکمیل کی غرض سے دارالعلوم دیوبند ضلع سہارن پور حیدرآباد سے بذریعہ ریل روانہ ہوا، دہلی میں پہنچ کر تقریباً پورا رمضان شریف جناب سید مولانا نذیر حسینؒ محدث کی خدمت میں رہا، مگر مولانا ممدوح کی غیر مقلدی اور حنفیہ کے ساتھ بے جا تعصب اور شیخ فانی ہونے کی وجہ سے نہیں رہ سکا، اور عیدالفطر کی نماز کے بعد ہی دیوبند روانہ ہوگیا، گوعلمائے دیوبند سے میں اس وقت بہت بدظن تھا، اوران کو بے دین اور وہابی سمجھتا تھا؛ مگر چونکہ شیخ الہند، رئیس الاتقیاء حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ، صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند اپنے زمانے میں شہرۂ آفاق اور مسلم استاد اور بے نظیر مشہور تھے؛ اس لیے وہاں پہنچا اور ارادہ تھا کہ اگر وہاں جی نہ لگا تو ؎

ملک خدا تنگ نیست پائے مالنگ نیست

پر عمل کروں گا، مگر وہاں پہنچ کر حضرت ممدوح کی خدمت میں یوماً فیوماً ان کے علمی وعملی کمالات اس قدر ہم پر ظاہر ہوتے گئے جو بیان سے باہر ہے، اور بے ساختہ میں ان کی شان میں ؎

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام بسیار خوباں دیدہ ام، لیکن تو چیزے دیگری

پڑھتا تھا، غرضے کہ حضرت ممدوح سے اس قدر میں مانوس ہوا کہ اپنے تمام اساتذہ کو بھول گیا، اور مدرسہ دیوبند میں صحاح ستہ، ہدایہ آخرین، جلالین شریف، بیضاوی شریف پڑھیں اور کل چودہ ماہ وہاں رہا، جب کل درسیات سے فارغ ہوگیا تو حضرت شیخ الہند ممدوح نے حکماً مدرسہ عین العلم واقع شاہ جہاں پور میں صدرالمدرسین مقرر کرکے بھیج دیا''۔ (تعلیم الانساب، ص:۱۵، ۱۶)

الغرض حضرت مفتی محمد سہول عثمانی رحمہ اللہ کے اعلیٰ تعلیمی ذوق یعنی علم کا حصول کمال کے ساتھ باکمال اہل علم ہی سے ہونا چاہیے، اس کے لیے حضرت نے ہر قسم کی صعوبتیں اٹھائیں اور مشکل سے مشکل فیصلوں سے گزرے، انہی فیصلوں میں سے ایک فیصلہ یہ بھی تھا کہ علمائے دیوبند کے بارے میں شدید پروپیگنڈے اور ذاتی مناسبت نہ ہونے کے باوجود علوم عالیہ وعلوم نبوت کے لیے دیوبند کی باکمال ہستیوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنا آپ کے تعلیمی اصول کی مجبوری ہے، جس کے لیے ماحولیاتی اثرات اور ذاتی جذبات کی قید سے آزاد ہوکر آپ نے علمائے حق علمائے دیوبند کی غلامی کا طمغہ اپنے سینے پر سجایا اور شیخ الہند محمود حسن دیوبندی کی گرویدگی نے مولوی محمد سہول بھاگلپوری کو دیوبندیت سے جوڑ دیا، اور دیوبند کا ترجمان اور نمائندہ بنادیا اور دیوبند کا فیض عام کرنے کے لیے شاہ جہاں پور میں فراغت کے پہلے ہی سال میں شعبہ تدریس کے آخری

زینے ، صدر المدرسین کے عہدے پر فائز قرار پائے۔

بہرکیف ! جس نے حصول علم میں محنت ، مہارت اور استاد کے انتخاب میں کمال مہارت کا اصول اپنائے رکھا تھا اللہ تعالیٰ نے تدریس کے مواقع میں بھی ان کے معیار کی قدردانی فرمائی، اور شیخ الہند کے اعتماد خاص کا مظہر اتم بنے۔

حضرت مفتی محمد سہول عثمانی نوراللہ مرقدہ' صوفیانہ غلو اور سوقیانہ سلف بیزاری سے دامن بچاتے بچاتے جب دیوبند پہنچے تو علمائے دیوبند کے علمی کمال وروحانی کشش نے آپ کے علمی و روحانی وجود کو نیا جنم دیا اور آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز ابنائے قدیم کی فہرست میں نمایاں درجہ پاگئے اور دارالعلوم کی شخصیات میں آپ کا نام آیا، دارالعلوم کے ارباب حل وعقد کے شریک کار ٹھہرے، دارالعلوم کے حریت پسندوں میں آپ کا شمار ہونے لگا۔

دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہ' دارالعلوم کے مشاہیر اور ان کی انجام دہندہ خدمات کے تحت تاریخ دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

حضرت مفتی محمد سہول بھاگل پوری:

''آپ دارالعلوم کے ممتاز ابناء قدیم میں سے تھے، دارالعلوم سے فارغ ہونے کے بعد مختلف دینی مدارس میں آپ نے مدرسی کی ، مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے پرنسپل رہے، دارلعلوم دیوبند میں تقریباً ۸؍سال درس دیا پھر تین سال یہاں کے مفتی کی حیثیت سے کام کیا ، بعدازاں مدرسہ عالیہ سلہٹ میں صدر مدرس ہوکر تشریف لے گئے اور عمر کا آخری حصہ وہیں گزارا، آپ کا علمی فیض بہت ہوا، شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحب جیسے لائق اور فاضل علماء آپ کے شاگردوں میں سے تھے، ممدوح رقتِ قلب کے ساتھ صاحبِ دل بھی تھے اور اکابر واسلاف کے نقش قدم کے انتہائی طور پر محافظ تھے رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً ،آپ دارلعلوم کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی رہے''۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند،ص:۶۸،۱۰۴)

سید محبوب رضوی نے بھی آپ کے حالات تحریر فرمائے ہیں، ان کے بیان کے مطابق آپ '' دارالعلوم کے رکن رکین اور مشائخ دارلعلوم دیوبند کے منظور نظر تھے، دیوبند اور مشائخ دیوبند کے دل آپ کا گھر تھے، مشائخ کی دل لگی کا مظہر تھے۔ ۱۳۵۰ھ سے ۱۳۶۲ھ آپ دارالعلوم (دیوبند) کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ ۱۲رجب ۱۳۶۷ھ بمطابق ۱۹۴۸ھ کو وصال ہوا مزار پورینی میں ہے۔ دراز قد اور وجیہ تھے، جب دیوبند آتے اور استاد شیخ الہند کی خدمت میں حاضر

ہوتے تو حضرت اٹھ کر معانقہ فرماتے ؛چونکہ حضرت پست قد تھے؛ اس لیے مزاحاً فرماتے کہ ''بھائی مولوی سہول آگئے ، معانقہ کے لیے سیڑھی لگانی پڑے گی'' بے حد رقیق القلب تھے ، اسلاف کرام صحابہ عظام کا ذکر آتا تھا تو آنکھیں اشکبار ہوجاتیں اور باتیں کرنا مشکل ہوجاتا تھا۔ (مکمل تاریخ دارالعلوم دیوبند، رضوی ۲/۸۹، ط: میر محمد کراچی)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت بھاگل پوری رحمۃ اللہ علیہ کے اسی گہرے اعتماد اور باہمی تعلق کا نتیجہ تھا کہ جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۷ء میں تحریک آزادی کو نیا رخ دینے کے لیے ہندوستان سے استنبول ،حجازِ مقدس کے لیے رخت سفر باندھا تو آپ کی رفاقت خاصہ کے لیے ہزاروں لاکھوں تلامذہ اور شیدائیوں میں سے دس ہستیوں کا ستارہ قسمت جگمگایا، جن میں حضرت مفتی محمد سہول بھاگل پوری رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے۔

چنانچہ سفرنامہ اسیر مالٹا میں مرقوم ہے:

''مولانا کے رفقاء سفر:

مولانا کی روانگی کوئی معمولی شخص کی روانگی نہ تھی بہت سے ارباب عقیدت استفاضہ (فیض حاصل کرنے) یا خدمت کے لیے ساتھ ہولیے .جن میں سے خاص خاص حضرات حسب ذیل ہیں، مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری ،مولانا سہول صاحب بھاگل پوری ،مولوی محمد میاں صاحب انیٹھوی ، مولوی عزیز گل صاحب ، ساکن زیارت کاکا صاحب، حاجی خان محمد صاحب مرحوم، مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب دیوبندی، حاجی محبوب خان صاحب سہارن پوری، حاجی عبدالکریم صاحب سرونجی ، وحید احمد وغیرہ۔ (سفرنامہ اسیر مالٹا،ص:۲۸۔علمائے ہند کا شاندار ماضی، سید محمد میاں، ج:۵،ص:۱۲۶، ط: رشیدیہ کراچی)

مدینہ سے حضرت نے انہی بعض رفقاء جن میں مولانا سہول عثمانی بھی شامل تھے، دیوبند کے مرکز میں کام کرنے کے لیے واپس ہندوستان واپس بھیج دیا''۔(سفرنامہ اسیر مالٹا،بیس بڑے مسلمان،ص:۲۵۷)

حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ سے استفادہ اور منازل سلوک کے کئی مدارج تک رسائی کے بعد بھی حضرت شیخ الہندؒ سے بھی بیعت وخلافت کے حامل تھے۔

ڈاکٹر فیوض الرحمٰن صاحب ''مشاہیر علماء'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''صوفیانہ مسلک: آپ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور انھیں سے بعد میں خلافت حاصل کی''۔(مشاہیر علماء،ص:۵۱۴)

حضرت مفتی سہول عثمانی رحمہ اللہ خودنوشت میں سلسلہ تصوف میں استفادہ سے متعلق خود تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہم پر بہت زیادہ ہے، اس نے ہندوستان کے اکثر اکابر علماء وصوفیہ کی خدمت وصحبت نصیب کی اور تین دفعہ حج حرمین شریفین سے بھی سرفراز فرمایا''۔ (تعلیم الانساب، ص:۲۰)

علمائے دیوبند بالخصوص حضرت شیخ الہندؒ، حضرت عثمانی کے لیے روحانی والد ہونے کے ساتھ ساتھ شفقت، خیرخواہی اور برتاؤ میں نسبی والد کی مانند بن گئے تھے، چنانچہ پہلی شادی کے بعد دوسری شادی، جس سے حضرت عثمانی کی نسل آگے چلی وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ہی نے پدرانہ حق استعمال کرتے ہوئے شدید اصرار سے کروائی تھی، بایں معنی حضرت شیخ الہند، حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کے ایسے روحانی دادا ہیں جنھوں نے حقیقی دادا کی نیابت بھی کی، اس لیے آپ کی اولاد کے لیے بھی دیوبندی نسبت ہی موزوں بنتی ہے اور حضرت عثمانی کی نجیب الطرفین (صدیقی+عثمانی) اولاد کی خاندانی شرافت ونجابت کا لازمی تقاضہ ہے کہ یہ خاندان دین اسلام پر عمل پیرا رہنے کے لیے دیوبندی طریق پر کاربند رہے؛ تاکہ منزل محمدی تک بآسانی پہنچ سکے۔

(جاری)